محمد امین الشنقیطی
مترجم: سمیع الرحمٰن ☆

آیاتِ قرآنی میں ظاہری اِضطراب کا حل!

قولہ تعالیٰ: ﴿وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ﴾

''اور ہم نے من وسلویٰ کی غذا تمہارے لیے فراہم کی اور تم سے کہا کہ جو پاک چیزیں ہم نے تمہیں بخشی ہیں انہیں کھاؤ۔[البقرۃ:۵۷]

ظاہری اِضطراب: یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو کھانے کی دو انواع سے عزت بخشی اور وہ دونوں من اور سلوی ہیں۔ جب کہ دوسری آیت میں اس کے برعکس بیان ہوا ہے جس میں ایک کھانے کا تذکرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَىٰ لَنْ نَصْبِرَ عَلَىٰ طَعَامٍ وَاحِدٍ﴾ [البقرۃ:۶۱]

''یاد کرو، جب تم نے کہا تھا کہ اے موسیٰ! ہم ایک ہی طرح کے کھانے پر صبر نہیں کر سکتے۔''

حل: ان دونوں آیات کے درمیان جمع کی کئی ایک وجوہات ہیں:

پہلی وجہ: 'من' اکثر لوگوں کے قول کے مطابق پینے والی اشیاء سے تعلق رکھتا ہے اور ایک کھانے سے مراد 'سلویٰ' ہے جو اکثر علما کے قول کے مطابق بٹیر یا اس طرح کی کوئی چیز۔

دوسری وجہ: عام طور پر دستر خوان پر رکھے ہوئے کھانے کو ایک ہی شمار کیا جاتا ہے۔ عرب لوگ بھی اس کو ایک ہی کھانا شمار کرتے تھے، اگرچہ اس کی انواع مختلف ہی کیوں نہ ہوں۔ اسی سے عربوں کا قول ہے: أكلنا طعام فلان ''ہم نے ایک کھانا کھایا''، چاہے اس کھانے کی کئی قسمیں ہوں۔ اور یہ دوسری وجہ پہلی وجہ سے موزوں معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے 'من' کی تفسیر ترنجبین[1] سے مخصوص کرنا مناسب نہیں، کیونکہ صحیح حدیث اس کا رد کرتی ہے۔

☆ فاضل کلیۃ الشریعۃ، جامعہ لاہور الاسلامیہ، لاہور

[1] ایک قسم کی قدرتی شکر جو اونٹ کٹارے کے کانٹوں پر شبنم کی طرح گر کر جم جاتی ہے۔

قال رسول الله ﷺ: «اَلْكَمْأَةُ مِنَ الْمَنِّ . . .»

[صحيح البخاري:٤٤٧٨، صحيح مسلم:٢٠٤٩]

''آپ ﷺ نے فرمایا کھمبی (جو خود رَو ہوتی ہے)، من کی قسم میں سے ہے۔''

تیسری وجہ: اس کھانے کا نام انہوں نے اس لیے ایک کھانا رکھا کہ اس میں تغیر وتبدل نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ اس اعتبار سے بھی یہ ایک ہی کھانا ہوا۔

❁ قولہ تعالیٰ: ﴿أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَى أَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ﴾ [البقرة:٨٧]

''پھر یہ تمہارا ڈھنگ ہے کہ جب بھی کوئی رسول تمہاری خواہشات نفس کے خلاف کوئی چیز لے کر تمہارے پاس آیا، تو تم نے اس کے مقابلے میں سرکشی ہی کی، کسی کو جھٹلایا اور کسی کو قتل کر ڈالا۔''

❁ ظاہری اضطراب: یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ انہوں نے بعض رسولوں کو قتل کیا۔ ذیل کی آیات بھی یہی مفہوم دے رہی ہیں۔

◉ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلْ قَدْ جَاءَكُمْ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِي بِالْبَيِّنَاتِ وَبِالَّذِي قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوهُمْ﴾ [آل عمران:١٨٣]

''ان سے کہو تمہارے پاس مجھ سے پہلے بہت سے رسول آ چکے ہیں جو بہت سی روشن نشانیاں لائے تھے اور وہ نشانی بھی لائے تھے جس کا تم ذکر کرتے ہو پھر اگر (ایمان لانے کے لیے یہ شرط پیش کرنے میں) تم سچے ہو تو ان رسولوں کو تم نے کیوں قتل کیا؟''

◉ ﴿كُلَّمَا جَاءَهُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَى أَنْفُسُهُمْ فَرِيقًا كَذَّبُوا وَفَرِيقًا يَقْتُلُونَ﴾ [المائدة:٧٠]

''مگر جب کبھی ان کے پاس کوئی رسول ان کی خواہشاتِ نفس کے خلاف کچھ لے کر آیا تو کسی کو انہوں نے جھٹلایا اور کسی کو قتل کر دیا۔''

جبکہ دوسری طرف ایسی آیات بھی موجود ہیں جن میں ہے کہ رسول غالب آتے ہیں اور ان کی مدد کی جاتی ہے، جیسے:

◉ ﴿كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي﴾ [المجادلة:٢١]

''اللہ تعالیٰ نے خود پر لازم ٹھہرالیا ہے کہ وہ خود سمیت اپنے رسولوں کو غلبہ عطا کرے گا۔''

◉ ﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ﴾[الصافات:۱۷۱تا۱۷۳]

''اپنے بھیجے ہوئے بندوں سے ہم پہلے ہی وعدہ کر چکے ہیں کہ یقیناً ان کی مدد کی جائے گی اور ہمارے لشکر ہی غالب ہو کر رہے گا۔''

◉ ﴿فَأَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظَّالِمِينَ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِهِمْ﴾

''تب ان کے رب نے ان پر وحی بھیجی کہ ہم ان ظالموں کو ہلاک کر دیں گے اور ان کے بعد تمہیں زمین میں آباد کریں گے۔'' [ابراھیم:۱۳]

◉ ﴿إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾[المؤمن:۵۱]

''یقین جانو کہ ہم اپنے رسولوں اور ایمان لانے والوں کی مدد اس دنیا کی زندگی میں بھی لازما کرتے ہیں۔''

حل: رسولوں کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: جس میں اللہ کی راہ میں لڑائی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

دوسری قسم: وہ ہے جس میں صبر کرنے اور لوگوں سے تکلیفوں کو روکنے کا حکم دیا گیا ہے۔

بہرحال وہ انبیاء جن کو جہاد وقتال کا حکم دیا گیا تو اللہ نے ان سے ان آیات میں مدد اور غلبہ کا وعدہ کیا ہے۔ اور وہ انبیاء جن کو رک جانے اور صبر کا حکم دیا گیا وہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی راہ میں شہید کیے گئے تا کہ اللہ تعالیٰ ان کے مظلومانہ شہید ہونے کی وجہ سے ان کے درجات بلند کرے۔

ان سب آیات کو جمع کرنے سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ مدد اور غلبہ جہاد کے ساتھ التزام اور لڑائی کی صورت میں ملتا ہے۔ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: ﴿وَكَأَيِّنْ مِنْ نَبِيٍّ قَاتَلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ﴾[آل عمران:۱۴۶]

''اس سے پہلے کتنے ہی نبی ایسے گزر چکے ہیں جن کے ساتھ مل کر بہت سے خدا پرستوں نے جنگ کی۔'' مخالفت میں نہیں ہے۔

قاتل کی قراءت اسم فاعل سے ماضی کا صیغہ ہے۔ اس سے معاملہ میں نکھار پیدا ہو جاتا

ہے،لیکن قتل کی قراءت مفعول کی جگہ پر ربیّون کا نائب فاعل بن رہی ہے۔ نبی کی طرف اس کی ضمیر نہیں ہو گی جس وجہ سے اِحتمال ختم ہو جائے گا اور استدلال کا رد ہو جائے گا۔اگر یہ مفہوم لیا جائے کہ رسولوں کا غلبہ اور ان کی نصرت دلیل اور برہان کی وجہ سے ہوتی ہے تو پھر آیت میں کوئی اِشکال باقی نہیں رہتا۔

قولہ تعالیٰ ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللهِ أَنْ يُّذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ﴾

[البقرۃ:۱۱۴]

''اوراس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ کے معبدوں میں اسکے نام کی یاد سے روکے۔''

ظاہری اضطراب: اس آیت میں استفہام انکاری ہے جس کا معنی نفی کا ہے۔یعنی معنی یہ ہو گا کہ کوئی بھی اس شخص سے زیادہ ظالم نہیں جو اللہ کی مساجد سے منع کرے۔قرآن مجید کے کچھ دیگر مقامات پر اسی طرح کی آیات دیگر محل میں موجود ہیں جن سے اس معنی کے خلاف مفہوم سمجھ میں آتا ہے،مثلاً چند آیات ملاحظہ فرمائیں:

◉ ﴿فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَى عَلَى اللهِ كَذِبًا﴾ [الانعام:۱۴۴]

''پھر اس شخص سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جو اللہ کی طرف منسوب کر کے جھوٹی بات کہے۔''

◉ ﴿فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللهِ﴾[الزمر:۳۲]

''پھر اس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا۔''

◉ ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ...﴾[الکہف:۵۷]

''اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم اور کون ہے جسے اس کے رب کی آیات سنا کر نصیحت کی جائے۔''

حل: ان آیات میں تطبیق کی کچھ وجوہات ہیں:

٭ ہر مقام کی اپنے صلہ کے اعتبار سے تخصیص ہو گی یعنی مانعین میں سے کوئی ایک بھی زیادہ ظالم نہیں جو اللہ کی مساجد سے روکے،مفترین میں سے کوئی ایک بھی زیادہ ظالم نہیں جو اللہ پر جھوٹ باندھتا ہو،یعنی اگر ان کو اپنے صلہ کے ساتھ خاص کر دیا جائے تو اشکال دور ہو جاتا ہے۔

* ماقبل کی نسبت سے تخصیص، یعنی ان سے پہلے ان جیسا کوئی نہیں گزرا جن پر حکم لگایا جائے کہ جو ان کے بعد آئے گا وہ ان کے طریقے پر چلتے ہوئے ان سے زیادہ ظالم ہو گا۔ ماقبل معنی سے اس کی تاویل کی جائے گی، کیونکہ یہاں 'سبق' سے مراد مانعیہ اور افترائیہ ہے۔

* امام ابو حیان رحمہ اللہ نے بھی وضاحت کی ہے اور یہی درست ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ فضیلت کی نفی سے مساوات کی نفی لازم نہیں آتی۔ چنانچہ ظالمین میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو اس وصف کے ساتھ دوسرے سے بڑھ کر ہو، کیونکہ سب ظلم میں برابر ہیں۔ اس صورت میں معنی یہ ہو گا کہ جو اللہ کی مسجدوں سے روکے اس سے بڑا کوئی ظالم نہیں، اسی طرح جس نے اللہ پر جھوٹ بولا اور جس نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا تو ان لوگوں کے ظلم کا پہلے ظلم کے برابر ہونے میں کوئی اشکال نہیں۔ اور مذکورہ مفہوم سے یہ مترشح بھی نہیں ہوتا کہ ان میں سے کوئی ایک دوسرے سے زیادہ ظالم ہے۔ جیسے آپ کہیں کہ کوئی بھی فلاں شخص فلاں سے زیادہ فقیہ نہیں۔ صاحب اتقان نے ان دونوں وجوہ کو ذکر کیا ہے۔

● **قولہ تعالیٰ:** ﴿وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ...﴾ [البقرۃ:۱۱۵]

''مشرق اور مغرب سب اللہ کے ہیں۔''

● **ظاہری اضطراب:** اس آیت میں لفظ 'مشرق' اور 'مغرب' واحد استعمال ہوا ہے، جبکہ دیگر سورتوں میں تثنیہ کے صیغے کے ساتھ استعمال ہوئے ہیں، جیسے:

◉ ﴿رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ﴾ [الرحمن:۱۷]

''دونوں مشرقوں اور دونوں مغرب، سب کا مالک و پروردگار وہی ہے۔''

◉ ﴿فَلَا أُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ﴾ [المعارج:۴۰]

''پس نہیں! میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے مالک کی''

◉ ﴿رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ﴾ [الصافات:۵]

''وہ جو زمین اور آسمانوں کا اور تمام ان چیزوں کا مالک ہے جو زمین و آسمان میں ہیں، اور سارے مشرقوں کا مالک۔''

حل: یہاں پر لفظ مشرق ومغرب لانے سے مراد جنس مشرق ومغرب ہے۔ چنانچہ یہ ہر مشرق پر صادق آتا ہے جہاں سے سورج طلوع ہوتا ہے جو کہ ۳۶۰ مشرق ہیں۔اسی طرح ہر مغرب پر جہاں سورج غروب ہوتا ہے وہ بھی اسی طرح ۳۶۰ ہیں۔

علامہ ابن جریر رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں دلیل دی ہے کہ وللہ المشرق کا معنی یہ ہوا کہ یہاں سے سورج ہر روز طلوع ہوتا ہے اور مغرب وہ ہے جہاں ہر روز سورج غروب ہوتا ہے۔اس کی تاویل یہی ہوگی۔ جب اس کا معنی یہ ہو کہ اللہ کے لیے ہی مشرق ومغرب کا فاصلہ ہے۔ سورج کا ہر روز روشن جگہ سے نکلنا کہ دوسری دفعہ پورا سال وہاں سے نہ نکلے اسی طرح غروب ہونے کا حال ہے۔اس کی بحث یہاں پر ختم ہوگئی۔

اللہ کا یہ فرمان: ﴿رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ﴾[الرحمن:۱۷]

''دونوں مشرقوں اور دونوں مغرب، سب کا مالک وپروردگار وہی ہے۔''

اس سے مراد سردیوں اور گرمیوں کا مغرب ومشرق ہے۔ سردیوں میں سورج کے طلوع کا مقام اور ہے جب کہ گرمیوں میں اور۔اسی پر جمہور کی رائے ہے کہ سورج اور چاند کا مشرق ومغرب۔

اللہ تعالیٰ کا لفظ مشارق اور مغارب کے لانے سے مراد سورج کا طلوع اور غروب ہونا ہے، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

اسی طرح سورج، چاند، ستارے کا طلوع اور غروب ہونا بھی مراد ہے۔والعلم عند اللہ

قولہ تعالیٰ: ﴿بَلْ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهُ قَانِتُوْنَ...﴾ [البقرۃ:۱۱۶]

''اصل حقیقت یہ ہے کہ زمین اور آسمانوں کی تمام موجودات اس کی ملک ہیں، سب کے سب اس کے مطیع فرمان ہیں۔''

ظاہری اضطراب: اس آیت کی تفسیر 'ما' موصولہ کے ساتھ کی گئی ہے جو کہ غیر العقول پر دلالت کرتا ہے جب کہ اسی آیت میں لفظ 'قانتون' ہے جو عقلاء کے ساتھ خاص ہے۔

حل: مخلوقات میں سے زمین وآسمان میں جو کچھ ہے اس اعتبار سے کچھ مخلوق عاقل ہیں اور کچھ غیر عاقل، تو اسم کے اندر موصول غیر عاقل اور جمع کے صیغہ میں عاقل غالب آ گیا۔

اس میں نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿بَلْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾[البقرۃ:۱۱۶]

''اصل حقیقت یہ ہے کہ زمین اور آسمانوں کی تمام موجودات اس کی ملک ہیں۔''

اس آیت میں ما موصولہ کا جو استعمال ہوا ہے وہ تمام مخلوق اللہ کی ملک ہونے کی نسبت سے ہے چاہے وہ مخلوق عاقل ہوں یا غیر عاقل۔

عاقل شخص اپنی کمزوری اور عاجزی کی نسبت اللہ کی ملک ہونے کے اعتبار سے غیر عاقل کی طرح ہے اور جب 'قنوت' بمعنی 'اطاعت' ذکر کیا۔ عقلاء میں بنسبت دوسروں کے زیادہ غالب ہوتا ہے۔

● **قولہ تعالیٰ:** ﴿قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ﴾ [البقرۃ:۱۱۸]

''یقین لانے والوں کے لیے تو ہم نشانیاں صاف صاف نمایاں کر چکے ہیں۔''

● **ظاہری اضطراب:** ظاہری اعتبار سے یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ بیان یقین رکھنے والوں کے ساتھ خاص ہے۔ جب کہ کچھ دوسری آیات بھی موجود ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ بیان تمام لوگوں کیلئے عام ہے، جیسا کہ فرمانِ باری ہے:

﴿كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ﴾[البقرۃ:۱۸۷]

''اس طرح اللہ اپنے احکام لوگوں کے لیے بصراحت بیان کرتا ہے، توقع ہے کہ وہ غلط رویے سے بچیں گے۔''

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ایک اور فرمان یوں ہے:

﴿هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ﴾[آل عمران:۱۳۸]

''یہ لوگوں کے لیے ایک صاف اور صریح تنبیہ ہے۔''

● **حل:** وجہ جمع یہ ہے کہ یہ عام بیان تمام مخلوق کے لیے ہے، لیکن انتفاع (نفع حاصل کرنا) متقین کے ساتھ خاص ہے۔

اس آیت میں مومنوں کو خاص کیا گیا ہے، کیونکہ جس سے نفع نہ ہو وہ عدم کی طرح ہی ہے۔ اس کی مثال اللہ کا یہ قول ہے:

﴿إِنَّمَا أَنتَ مُنذِرُ مَن يَخْشَاهَا﴾ [النازعات:۴۵]
''تم صرف خبردار کرنے والے ہو ہر اس شخص کو جو اس کا خوف کرے۔''

اسی طرح فرمایا:

﴿إِنَّمَا تُنذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ﴾ [یٰسین:۱۱]
''تم تو اسی شخص کو خبردار کر سکتے ہو جو نصیحت کی پیروی کرے۔''

آپ سرخ وسپید کو ڈرانے والے ہیں۔ انذار (ڈرانے) کو اس شخص کے ساتھ خاص کیا گیا ہے جو ڈرتا ہے اور نصیحت کی پیروی کرتا ہے، کیونکہ وہ اس سے نفع حاصل کرنے والا ہے۔

● **قولہ تعالیٰ:** ﴿وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَن يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّن يَنقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ...﴾ [البقرۃ:۱۴۳]
''پہلے جس طرف تم رخ کرتے تھے، اس کو تو ہم نے صرف یہ دیکھنے کے لیے قبلہ مقرر کیا تھا کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون الٹا پھر جاتا ہے۔''

● **ظاہری اضطراب:** اس آیت میں اللہ کا یہ فرمان ﴿إِلَّا لِنَعْلَمَ﴾ یہ وہم ڈالتا ہے کہ اللہ تعالیٰ رسول کی اتباع کرنے والے اور اتباع سے اعراض کرنے والے کو نہیں جانتا تھا۔ حالانکہ اللہ کسی چیز کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے ہر چیز کو جانتا ہے۔ اللہ اس کو بھی جانتا ہے جس کو مخلوق عنقریب جانے گی، جیسا کہ اس پر بہت ساری آیات دلالت کرتی ہیں:

◉ ﴿هُوَ أَعْلَمُ بِكُمْ إِذْ أَنشَأَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَإِذْ أَنتُمْ أَجِنَّةٌ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ فَلَا تُزَكُّوا أَنفُسَكُمْ﴾ [النجم:۳۲]
''وہ تمہیں اس وقت سے خوب جانتا ہے جب اس نے زمین سے تمہیں پیدا کیا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹوں میں ابھی جنین ہی تھے۔ پس اپنے نفس کی پاکی کے دعوے نہ کرو۔''

◉ ﴿وَلَهُمْ أَعْمَالٌ مِّن دُونِ ذَٰلِكَ هُمْ لَهَا عَامِلُونَ﴾ [المؤمنون:۶۳]
''اور ان کے اعمال بھی اسی طریقے سے (جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے) مختلف ہیں (وہ اپنے یہ کرتوت کیے چلے جائیں گے۔''

● **حل:** اللہ تعالیٰ کے اس قول کا جواب یہ ہے کہ یہ ایسا علم ہے جس پر سزا اور جزا مرتب ہوتی ہے۔ کسی چیز کے وقوع سے پہلے اس کا علم ہو جانا علم کے منافی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ا

شارہ کیا ہے کہ ضروری نہیں کہ اخبار سے جدید علم کا فائدہ ہو، حالانکہ جو کچھ ہونے والا ہوتا ہے اس کو وہ جانتا ہے۔ فرمایا:

﴿وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ [آل عمران:۱۵۴]

''اور یہ معاملہ جو پیش آیا، یہ تو اس لیے تھا کہ جو کچھ تمہارے سینوں میں پوشیدہ ہے اللہ اسے آزمالے اور جو کھوٹ تمہارے دلوں میں ہے اسے چھانٹ دے۔ اللہ دلوں کا حال خوب جانتا ہے۔''

یہ مذکورہ آیت یعنی ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ [آل عمران:۱۵۴] ''اللہ دلوں کا حال خوب جانتا ہے۔'' ایک دوسرے فرمانِ باری: ﴿وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ﴾ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ یہ ایسی دلیل ہے کہ اس سے ایسی خبر کا فائدہ نہیں ہو رہا جس کو اللہ تعالیٰ نہ جانتا ہو بلکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے جس کا مخلوق کو اس کے وقوع پذیر ہونے پر ہی پتہ چلے گا اور وہ ہر چیز کو اس کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے ہی جانتا ہے، جیسا کہ درج ذیل فرمانِ باری کے بارے میں مسلمانوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں:

﴿لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ﴾ [سبا:۳]

''اس سے ذرہ برابر کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے۔''

﴿وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ﴾ [البقرۃ:۲۱۵]